ماہنامہ آبگینہ، کراچی
جلد ۱۲، شمارہ ۴، اپریل ۲۰۲۴ء
ISSN 2253008 – 0474

بند نالے کی تہہ سے نکلنے والے پلاسٹک کچرے میں ماحولیاتی خطرات

از ڈاکٹر نگہت سلیم

بند نالے کی تہہ سے نکلنے والا پلاسٹک کچرا محض گندگی نہیں بلکہ ایک خاموش ماحولیاتی خطرہ ہے جو برسوں تک زمین، پانی اور انسانی صحت کو نقصان پہنچاتا رہتا ہے۔ جب کسی نالے کا بہاؤ رک جاتا ہے تو اس میں جمع ہونے والا پلاسٹک آہستہ آہستہ ٹوٹ کر باریک ذرات میں بدل جاتا ہے، جنہیں ماہرین مائیکرو پلاسٹک کہتے ہیں۔ یہ ذرات پانی میں گھل جاتے ہیں اور آبی حیات کے جسم میں داخل ہو کر پوری خوراک کے نظام کو متاثر کرتے ہیں۔

ہمارے ساحلی شہر میں گزشتہ برس مون سون سے پہلے کیے گئے ایک سروے کے مطابق شہر کے 37 بند نالوں میں سے 29 میں پلاسٹک کا ٹھوس مواد پایا گیا۔ ان نالوں کی تہہ سے نکالے گئے کچرے کا وزن فی نالہ اوسطاً 1.9 میٹرک ٹن تھا۔ سب سے زیادہ کچرا ان نالوں سے نکلا جو گنجان آباد علاقوں سے گزرتے ہیں اور جن کے دہانے پر کوئی جالی یا رکاوٹ موجود نہیں۔ سروے میں شامل 3 ہزار 412 گھروں میں سے 68 فیصد نے اعتراف کیا کہ وہ کچرا نالے میں پھینکتے ہیں۔

ماحولیاتی ماہرین کے مطابق پلاسٹک کا سب سے بڑا نقصان اس کی طویل عمر ہے۔ ایک عام پلاسٹک تھیلا تقریباً 400 سے 1000 سال میں مکمل طور پر ختم ہوتا ہے، جبکہ اس دوران وہ لاکھوں ٹکڑوں میں بٹ چکا ہوتا ہے۔ یہ ٹکڑے مچھلی، پرندوں اور حتیٰ کہ انسانی خون تک میں پائے گئے ہیں۔ ڈاکٹر فرحانہ ناز کے مطابق ان ذرات کا جسم میں جمع ہونا ہارمونل نظام، جگر اور قوتِ مدافعت پر منفی اثر ڈالتا ہے، اور اس کے اثرات کئی نسلوں تک محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

بند نالوں کی صفائی کا روایتی طریقہ بھی اس مسئلے کو مزید بڑھاتا ہے۔ صفائی کے دوران نکالا گیا کچرا اکثر نالے کے کنارے ہی چھوڑ دیا جاتا ہے، جہاں بارش کے پہلے ہی ریلے میں وہ دوبارہ پانی میں شامل ہو جاتا ہے۔ بلدیہ کے ایک افسر نے نام نہ لکھنے کی شرط پر بتایا کہ عملے کے پاس نہ تو مناسب حفاظتی دستانے ہیں اور نہ ہی کچرا منتقل کرنے کے لیے کوئی مخصوص گاڑی۔ یہ صورتحال صفائی کے عمل کو نہ صرف سست بلکہ خطرناک بھی بنا دیتی ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اس بحران سے نمٹنے کے لیے صرف صفائی کافی نہیں بلکہ پلاسٹک کے استعمال میں کمی اور متبادل کی فراہمی بھی ضروری ہے۔ کپڑے کے تھیلے، دوبارہ قابلِ استعمال برتن اور کاغذ یا کپڑے سے بنی پیکنگ جیسے آسان اقدامات سے ہر گھر ہر سال کئی کلو پلاسٹک کم کر سکتا ہے۔ اگر ان اقدامات کو بلدیہ کی سطح پر ہفتہ وار صفائی مہم اور جرمانے کے نظام سے جوڑ دیا جائے تو نتائج کہیں زیادہ بہتر ہو سکتے ہیں۔

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بند نالے کا کچرا ہمارے ہی گھروں سے نکلتا ہے، اس لیے اس کی ذمہ داری بھی ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ اگر آج ہم نے اپنی عادتیں نہ بدلیں تو آنے والی نسلیں ہمیں صاف پانی اور صحت مند زندگی کے لیے یاد نہیں کریں گی۔ وقت کم ہے اور فیصلہ ہمیں ہی کرنا ہے۔

ہوا میں گھلتا زہر: کارخانوں کی چمنیوں اور ٹرکوں کے دھوئیں سے بچاؤ کی عملی تدابیر

از ڈاکٹر نگہت سلیم

ہوا میں شامل باریک ذرات، جنہیں ماہرین پی ایم 2.5 کہتے ہیں، سانس کے ذریعے پھیپھڑوں اور خون میں داخل ہو کر دمہ، دل کے دورے اور فالج کا خطرہ بڑھاتے ہیں۔ یہ ذرات کارخانوں کی چمنیوں، ٹرکوں کے دھوئیں اور کھلے میں جلائے جانے والے کچرے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا حجم اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ عام ماسک بھی انہیں روک نہیں پاتے، اس لیے ان سے بچاؤ کے لیے خاص احتیاط درکار ہے۔

ڈاکٹر نگہت سلیم کے مطابق ہر سال سردیوں میں اسموگ کے دنوں میں اسپتالوں کی ایمرجنسی میں سانس کے مریضوں کی تعداد دگنی ہو جاتی ہے۔ ’’بچے، بزرگ اور پہلے سے بیمار افراد سب سے زیادہ خطرے میں ہوتے ہیں، مگر صحت مند نوجوان بھی محفوظ نہیں۔‘‘ انہوں نے کہا کہ ہوا کا معیار ناپنے کے لیے ہر شہر میں کم از کم چند مقامات پر مانیٹرنگ کا نظام ہونا چاہیے تاکہ لوگ بروقت خبردار ہو سکیں۔

گھر کے اندر ہوا صاف رکھنے کے لیے کھڑکیاں اور دروازے صبح سویرے کھولنے کے بجائے دوپہر کے وقت کھولنا بہتر ہے، جب ٹریفک کا دباؤ کم ہوتا ہے۔ کھانا پکاتے وقت چولہے کے اوپر ایگزاسٹ فین چلانا ضروری ہے، اور کوئلے یا لکڑی پر کھانا پکانے سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔ ڈاکٹر نگہت سلیم نے کہا کہ ایک اچھا ایئر پیوریفائر ہزاروں روپے میں آتا ہے، مگر ایک گیلا کپڑا اور کھڑکی کی درز پر لگایا گیا سستا فلٹر بھی کسی حد تک مدد دیتا ہے۔

باہر نکلتے وقت این 95 یا کے این 95 ماسک کا استعمال سب سے مؤثر ہے، جبکہ عام کپڑے کا ماسک صرف آخری سہارا سمجھا جائے۔ ماسک کو ہر روز دھونا اور ہر تین ماہ بعد بدلنا ضروری ہے، ورنہ وہ خود ہی آلودگی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر نگہت سلیم نے زور دیا کہ ماسک کو ٹھوڑی پر لٹکانا یا جیب میں رکھنا بے فائدہ ہے، اسے ناک اور منہ پر مکمل طور پر بیٹھنا چاہیے۔

انہوں نے کہا کہ انفرادی احتیاط اپنی جگہ اہم ہے، مگر اصل حل ماحول کے ذرائع پر قابو پانا ہے۔ ’’ہر شہری کو اپنے حصے کی ذمہ داری نبھانی ہوگی، ورنہ ہماری آنے والی نسلیں ہم سے سوال کریں گی۔‘‘ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ماحولیاتی آگاہی کو اسکول کے نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ بچپن سے ہی صاف ہوا کی اہمیت سمجھ میں آ سکے۔

ہر نئے ٹیکے لگنے کے ساتھ ہی سکھاپورہ کینال روڈ پر ٹریفک جام معمول بن گیا ہے

از نگہت سلیم

سکھاپورہ کینال روڈ پر ہر نئے ٹیکے لگنے کے ساتھ ہی ٹریفک جام معمول بن گیا ہے۔ صبح دفاتر جانے کے وقت اور شام کو واپسی کے اوقات میں یہ سڑک گاڑیوں سے اس طرح بھر جاتی ہے کہ کئی کئی کلومیٹر تک رینگتی قطاریں بن جاتی ہیں۔ ایمبولینسیں، اسکول وینیں اور موٹر سائیکل سوار سب اسی ہجوم میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ پہلے یہ سڑک کشادہ تھی، مگر جیسے ہی نئے ٹیکے لگنے شروع ہوئے، سڑک کے دونوں طرف دکانیں، ریڑھی بان اور پارکنگ والے پھیلتے چلے گئے۔

ٹیکے لگنے کا سلسلہ 2022ء کے آخر میں شروع ہوا تھا۔ ابتدا میں صرف چند ٹیکے تھے، مگر اب ان کی تعداد 80 سے زیادہ ہو چکی ہے۔ ہر ٹیکے پر ایک یا دو ڈاکٹر بیٹھتے ہیں، اور ہر ڈاکٹر کے ساتھ کم از کم دو معاون اور ایک ریسیپشنسٹ ہوتا ہے۔ اس طرح ہر ٹیکے کے ساتھ کم از کم 3 گاڑیاں مستقل طور پر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اگر ان میں مریض کی گاڑی بھی شامل کر لی جائے تو ہر ٹیکے کے سامنے کم از کم 4 گاڑیاں ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ یوں 80 ٹیکوں کے سامنے 320 سے زیادہ گاڑیاں صرف کھڑی ہونے کی جگہ مانگتی ہیں۔

مکینک، ٹائر پنکچر کی دکانیں اور ریڑھی بان بھی اسی سڑک پر اپنا روزگار تلاش کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے سڑک کا بچا کھچا حصہ بھی سکڑ جاتا ہے۔ ٹریفک اہلکار بھی اس صورتحال کے سامنے بے بس دکھائی دیتے ہیں۔ وہ جس گاڑی کو ہٹاتے ہیں، وہ چند منٹ بعد دوبارہ اسی جگہ آ کھڑی ہوتی ہے۔ کئی اہلکاروں نے نجی گفتگو میں کہا کہ جرمانے کی رقم اتنی کم ہے کہ لوگ اسے ادا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

ٹریفک جام کا سب سے زیادہ نقصان ایمبولینسوں کو ہوتا ہے۔ سکھاپورہ کینال روڈ پر کوئی ایمرجنسی ٹریک نہیں بنایا گیا، اس لیے ایمبولینسیں بھی عام گاڑیوں کی طرح قطار میں کھڑی رہتی ہیں۔ ایک مقامی رہائشی نے بتایا کہ اس کے والد کو دل کا دورہ پڑا تو ایمبولینس کو ٹیکے تک پہنچنے میں 25 منٹ لگ گئے، جبکہ اسپتال صرف 7 منٹ کے فاصلے پر تھا۔ ایسے واقعات روز کا معمول بن چکے ہیں۔

شہریوں کا مطالبہ ہے کہ ٹیکوں کے لیے متبادل جگہ مختص کی جائے اور سڑک پر پارکنگ ختم کی جائے۔ کچھ لوگ تجویز دیتے ہیں کہ ٹیکوں کو شہر کے باہر منتقل کر دیا جائے، جہاں زمین بھی زیادہ ہے اور ٹریفک کا دباؤ بھی کم ہوگا۔ تاہم اب تک اس سلسلے میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اگر جلد کوئی حل نہ نکالا گیا تو سکھاپورہ کینال روڈ پر ٹریفک کا یہ بحران مزید سنگین شکل اختیار کر سکتا ہے۔

صفحہ ۲ پر بقیہ: ’’ٹیکے لگنے کی رفتار کم کرنے کی تجویز‘‘

’’ٹیکے لگنے کی رفتار کم کرنے کی تجویز‘‘ پر اعتراض

ڈسپنسر فرخندہ جبیں کا کہنا ہے کہ ٹیکے لگنے کی رفتار کم کرنے کی تجویز پر اعتراض

رپورٹ: نگہت سلیم

صفحہ ۲ پر بقیہ: ’’ٹیکے لگنے کی رفتار کم کرنے کی تجویز‘‘

ماہنامہ آبگینہ، کراچی
جلد ۱۲، شمارہ ۴، اپریل ۲۰۲۴ء
ISSN 2253008 – 0474

بند نالے کی تہہ سے نکلنے والے پلاسٹک کچرے میں ماحولیاتی خطرات

از ڈاکٹر نگہت سلیم

بند نالے کی تہہ سے نکلنے والا پلاسٹک کچرا محض گندگی نہیں بلکہ ایک خاموش ماحولیاتی خطرہ ہے جو برسوں تک زمین، پانی اور انسانی صحت کو نقصان پہنچاتا رہتا ہے۔ جب کسی نالے کا بہاؤ رک جاتا ہے تو اس میں جمع ہونے والا پلاسٹک آہستہ آہستہ ٹوٹ کر باریک ذرات میں بدل جاتا ہے، جنہیں ماہرین مائیکرو پلاسٹک کہتے ہیں۔ یہ ذرات پانی میں گھل جاتے ہیں اور آبی حیات کے جسم میں داخل ہو کر پوری خوراک کے نظام کو متاثر کرتے ہیں۔

ہمارے ساحلی شہر میں گزشتہ برس مون سون سے پہلے کیے گئے ایک سروے کے مطابق شہر کے 37 بند نالوں میں سے 29 میں پلاسٹک کا ٹھوس مواد پایا گیا۔ ان نالوں کی تہہ سے نکالے گئے کچرے کا وزن فی نالہ اوسطاً 1.9 میٹرک ٹن تھا۔ سب سے زیادہ کچرا ان نالوں سے نکلا جو گنجان آباد علاقوں سے گزرتے ہیں اور جن کے دہانے پر کوئی جالی یا رکاوٹ موجود نہیں۔ سروے میں شامل 3 ہزار 412 گھروں میں سے 68 فیصد نے اعتراف کیا کہ وہ کچرا نالے میں پھینکتے ہیں۔

ماحولیاتی ماہرین کے مطابق پلاسٹک کا سب سے بڑا نقصان اس کی طویل عمر ہے۔ ایک عام پلاسٹک تھیلا تقریباً 400 سے 1000 سال میں مکمل طور پر ختم ہوتا ہے، جبکہ اس دوران وہ لاکھوں ٹکڑوں میں بٹ چکا ہوتا ہے۔ یہ ٹکڑے مچھلی، پرندوں اور حتیٰ کہ انسانی خون تک میں پائے گئے ہیں۔ ڈاکٹر فرحانہ ناز کے مطابق ان ذرات کا جسم میں جمع ہونا ہارمونل نظام، جگر اور قوتِ مدافعت پر منفی اثر ڈالتا ہے، اور اس کے اثرات کئی نسلوں تک محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

بند نالوں کی صفائی کا روایتی طریقہ بھی اس مسئلے کو مزید بڑھاتا ہے۔ صفائی کے دوران نکالا گیا کچرا اکثر نالے کے کنارے ہی چھوڑ دیا جاتا ہے، جہاں بارش کے پہلے ہی ریلے میں وہ دوبارہ پانی میں شامل ہو جاتا ہے۔ بلدیہ کے ایک افسر نے نام نہ لکھنے کی شرط پر بتایا کہ عملے کے پاس نہ تو مناسب حفاظتی دستانے ہیں اور نہ ہی کچرا منتقل کرنے کے لیے کوئی مخصوص گاڑی۔ یہ صورتحال صفائی کے عمل کو نہ صرف سست بلکہ خطرناک بھی بنا دیتی ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ اس بحران سے نمٹنے کے لیے صرف صفائی کافی نہیں بلکہ پلاسٹک کے استعمال میں کمی اور متبادل کی فراہمی بھی ضروری ہے۔ کپڑے کے تھیلے، دوبارہ قابلِ استعمال برتن اور کاغذ یا کپڑے سے بنی پیکنگ جیسے آسان اقدامات سے ہر گھر ہر سال کئی کلو پلاسٹک کم کر سکتا ہے۔ اگر ان اقدامات کو بلدیہ کی سطح پر ہفتہ وار صفائی مہم اور جرمانے کے نظام سے جوڑ دیا جائے تو نتائج کہیں زیادہ بہتر ہو سکتے ہیں۔

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بند نالے کا کچرا ہمارے ہی گھروں سے نکلتا ہے، اس لیے اس کی ذمہ داری بھی ہم سب پر عائد ہوتی ہے۔ اگر آج ہم نے اپنی عادتیں نہ بدلیں تو آنے والی نسلیں ہمیں صاف پانی اور صحت مند زندگی کے لیے یاد نہیں کریں گی۔ وقت کم ہے اور فیصلہ ہمیں ہی کرنا ہے۔

ہوا میں گھلتا زہر: کارخانوں کی چمنیوں اور ٹرکوں کے دھوئیں سے بچاؤ کی عملی تدابیر

از ڈاکٹر نگہت سلیم

ہوا میں شامل باریک ذرات، جنہیں ماہرین پی ایم 2.5 کہتے ہیں، سانس کے ذریعے پھیپھڑوں اور خون میں داخل ہو کر دمہ، دل کے دورے اور فالج کا خطرہ بڑھاتے ہیں۔ یہ ذرات کارخانوں کی چمنیوں، ٹرکوں کے دھوئیں اور کھلے میں جلائے جانے والے کچرے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا حجم اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ عام ماسک بھی انہیں روک نہیں پاتے، اس لیے ان سے بچاؤ کے لیے خاص احتیاط درکار ہے۔

ڈاکٹر نگہت سلیم کے مطابق ہر سال سردیوں میں اسموگ کے دنوں میں اسپتالوں کی ایمرجنسی میں سانس کے مریضوں کی تعداد دگنی ہو جاتی ہے۔ ’’بچے، بزرگ اور پہلے سے بیمار افراد سب سے زیادہ خطرے میں ہوتے ہیں، مگر صحت مند نوجوان بھی محفوظ نہیں۔‘‘ انہوں نے کہا کہ ہوا کا معیار ناپنے کے لیے ہر شہر میں کم از کم چند مقامات پر مانیٹرنگ کا نظام ہونا چاہیے تاکہ لوگ بروقت خبردار ہو سکیں۔

گھر کے اندر ہوا صاف رکھنے کے لیے کھڑکیاں اور دروازے صبح سویرے کھولنے کے بجائے دوپہر کے وقت کھولنا بہتر ہے، جب ٹریفک کا دباؤ کم ہوتا ہے۔ کھانا پکاتے وقت چولہے کے اوپر ایگزاسٹ فین چلانا ضروری ہے، اور کوئلے یا لکڑی پر کھانا پکانے سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔ ڈاکٹر نگہت سلیم نے کہا کہ ایک اچھا ایئر پیوریفائر ہزاروں روپے میں آتا ہے، مگر ایک گیلا کپڑا اور کھڑکی کی درز پر لگایا گیا سستا فلٹر بھی کسی حد تک مدد دیتا ہے۔

باہر نکلتے وقت این 95 یا کے این 95 ماسک کا استعمال سب سے مؤثر ہے، جبکہ عام کپڑے کا ماسک صرف آخری سہارا سمجھا جائے۔ ماسک کو ہر روز دھونا اور ہر تین ماہ بعد بدلنا ضروری ہے، ورنہ وہ خود ہی آلودگی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر نگہت سلیم نے زور دیا کہ ماسک کو ٹھوڑی پر لٹکانا یا جیب میں رکھنا بے فائدہ ہے، اسے ناک اور منہ پر مکمل طور پر بیٹھنا چاہیے۔

انہوں نے کہا کہ انفرادی احتیاط اپنی جگہ اہم ہے، مگر اصل حل ماحول کے ذرائع پر قابو پانا ہے۔ ’’ہر شہری کو اپنے حصے کی ذمہ داری نبھانی ہوگی، ورنہ ہماری آنے والی نسلیں ہم سے سوال کریں گی۔‘‘ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ماحولیاتی آگاہی کو اسکول کے نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ بچپن سے ہی صاف ہوا کی اہمیت سمجھ میں آ سکے۔

ہر نئے ٹیکے لگنے کے ساتھ ہی سکھاپورہ کینال روڈ پر ٹریفک جام معمول بن گیا ہے

از نگہت سلیم

سکھاپورہ کینال روڈ پر ہر نئے ٹیکے لگنے کے ساتھ ہی ٹریفک جام معمول بن گیا ہے۔ صبح دفاتر جانے کے وقت اور شام کو واپسی کے اوقات میں یہ سڑک گاڑیوں سے اس طرح بھر جاتی ہے کہ کئی کئی کلومیٹر تک رینگتی قطاریں بن جاتی ہیں۔ ایمبولینسیں، اسکول وینیں اور موٹر سائیکل سوار سب اسی ہجوم میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ پہلے یہ سڑک کشادہ تھی، مگر جیسے ہی نئے ٹیکے لگنے شروع ہوئے، سڑک کے دونوں طرف دکانیں، ریڑھی بان اور پارکنگ والے پھیلتے چلے گئے۔

ٹیکے لگنے کا سلسلہ 2022ء کے آخر میں شروع ہوا تھا۔ ابتدا میں صرف چند ٹیکے تھے، مگر اب ان کی تعداد 80 سے زیادہ ہو چکی ہے۔ ہر ٹیکے پر ایک یا دو ڈاکٹر بیٹھتے ہیں، اور ہر ڈاکٹر کے ساتھ کم از کم دو معاون اور ایک ریسیپشنسٹ ہوتا ہے۔ اس طرح ہر ٹیکے کے ساتھ کم از کم 3 گاڑیاں مستقل طور پر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اگر ان میں مریض کی گاڑی بھی شامل کر لی جائے تو ہر ٹیکے کے سامنے کم از کم 4 گاڑیاں ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ یوں 80 ٹیکوں کے سامنے 320 سے زیادہ گاڑیاں صرف کھڑی ہونے کی جگہ مانگتی ہیں۔

مکینک، ٹائر پنکچر کی دکانیں اور ریڑھی بان بھی اسی سڑک پر اپنا روزگار تلاش کرتے ہیں۔ ان کی وجہ سے سڑک کا بچا کھچا حصہ بھی سکڑ جاتا ہے۔ ٹریفک اہلکار بھی اس صورتحال کے سامنے بے بس دکھائی دیتے ہیں۔ وہ جس گاڑی کو ہٹاتے ہیں، وہ چند منٹ بعد دوبارہ اسی جگہ آ کھڑی ہوتی ہے۔ کئی اہلکاروں نے نجی گفتگو میں کہا کہ جرمانے کی رقم اتنی کم ہے کہ لوگ اسے ادا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

ٹریفک جام کا سب سے زیادہ نقصان ایمبولینسوں کو ہوتا ہے۔ سکھاپورہ کینال روڈ پر کوئی ایمرجنسی ٹریک نہیں بنایا گیا، اس لیے ایمبولینسیں بھی عام گاڑیوں کی طرح قطار میں کھڑی رہتی ہیں۔ ایک مقامی رہائشی نے بتایا کہ اس کے والد کو دل کا دورہ پڑا تو ایمبولینس کو ٹیکے تک پہنچنے میں 25 منٹ لگ گئے، جبکہ اسپتال صرف 7 منٹ کے فاصلے پر تھا۔ ایسے واقعات روز کا معمول بن چکے ہیں۔

شہریوں کا مطالبہ ہے کہ ٹیکوں کے لیے متبادل جگہ مختص کی جائے اور سڑک پر پارکنگ ختم کی جائے۔ کچھ لوگ تجویز دیتے ہیں کہ ٹیکوں کو شہر کے باہر منتقل کر دیا جائے، جہاں زمین بھی زیادہ ہے اور ٹریفک کا دباؤ بھی کم ہوگا۔ تاہم اب تک اس سلسلے میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اگر جلد کوئی حل نہ نکالا گیا تو سکھاپورہ کینال روڈ پر ٹریفک کا یہ بحران مزید سنگین شکل اختیار کر سکتا ہے۔

صفحہ ۲ پر بقیہ: ’’ٹیکے لگنے کی رفتار کم کرنے کی تجویز‘‘

’’ٹیکے لگنے کی رفتار کم کرنے کی تجویز‘‘ پر اعتراض

ڈسپنسر فرخندہ جبیں کا کہنا ہے کہ ٹیکے لگنے کی رفتار کم کرنے کی تجویز پر اعتراض

رپورٹ: نگہت سلیم

صفحہ ۲ پر بقیہ: ’’ٹیکے لگنے کی رفتار کم کرنے کی تجویز‘‘